ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

دسمبر ____________ ۱۹۹۵ء

ایڈیٹر ______ نصر اللہ خاں ناصر

دُعاؤں میں جوش ؟

سیّدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ .... فرماتے ہیں:

"قبولیتِ دعا کیلئے ضرور ہے کہ اس میں ایک جوش ہو کیونکہ جس دعا میں جوش نہ ہو وہ صرف لفظی بڑبڑ ہے حقیقی دعا نہیں مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ دعا میں جوش پیدا ہونا ہر یک وقت انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ انسان کیلئے اشد ضرورت ہے کہ دعا کرنے کے وقت جو امور دلی جوش کے محرک ہیں وہ اس کے خیال میں حاضر ہوں اور یہ بات ہر ایک عاقل پر روشن ہے کہ دلی جوش پیدا کرنے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک خدا کو کامل اور قادر اور جامع صفاتِ کاملہ خیال کر کے اس کی رحمتوں اور کرموں کو ابتداء سے انتہاء تک اپنے وجود اور بقا کے لئے ضروری دیکھنا اور تمام فیوض کا مبدء اسی کو خیال کرنا۔ دوسرے اپنے تئیں اور اپنے تمام ہم جنسوں کو عاجز اور مفلس اور خدا کی مدد کا محتاج یقین کرنا یہی دو امر ہیں جن سے دعاؤں میں جوش پیدا ہوتا ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۶۸-۵۶۹ حاشیہ)

○

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ

انصاراللہ

ربوہ

فتح ۱۳۷۴ ہش

دسمبر ۱۹۹۵ء

ایڈیٹر
نصراللہ خان ناصر

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم
پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ انصاراللہ
دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

اس ماہ کے شمارہ میں

جلد نمبر ۳۶
شمارہ نمبر ۱۲

شرح چندہ

پاکستان ۔۔۔۔ چالیس روپے سالانہ
قیمت فی پرچہ ۔۔۔۔ چار روپے

اداریہ

محاسبۂ نفس

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ ہر گھڑی اور لمحہ جو ہمیں میسر آتا ہے وہ ایک قیمتی متاع ہے۔ ہم وہ گھڑی ربِّ کریم کی رضا کے لئے کس طور پہ گزارتے ہیں۔ اپنے مقصد حیات کو پانے کے لئے کس طور جدو جہد کرتے ہیں۔ ہماری صبح، شام میں بدلتی ہے۔ رات کی تاریکی ایک نئی صبح سے چھٹ جاتی ہے اور ایک عارضی انقطاعِ حیات دوبارہ ایک بھرپور عملی زندگی میں بدلتا ہے۔ کسی کا آفتابِ زندگی عین نصف النہار پر چھپ جاتا ہے اور کوئی عمر کی انتہائی منزل سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اور اپنی طبعی عمر پا لیتا ہے۔ روزمرّہ زندگی کے ان حالات سے کسی کو مفر نہیں۔ زندگی کے یہ صبح و شام ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہم اپنے مقصدِ حیات کو جانیں۔ ہم نے دنیا میں کیوں قدم رکھا، زندگی کے روز و شب کیسے گزارے۔ بیتے ہوئے ایّام میں افعال و اعمال اور کردار کیسا رہا۔ گردشِ ایّام سے ہم نے کیا سیکھا۔ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ کتنے عظیم اور پیارے وجود تھے جو ہمیں داغِ ہجرت دے گئے۔ ان کا اندوختہ کیا تھا اور کیا زادِ راہ لے گئے۔

یہ گردشِ ایّام ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے۔ دن، ہفتے، مہینے اور سال گزرتے ہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ہم اپنے فرائض کو کہاں تک ادا کر پائے۔ شام ڈھلے کہاں پہنچے ...... انبساط و مسرّت اور رنج و حسرت کے ملے جلے جذبات سامنے آتے ہیں۔ یہ سوچ اور یہ فکر و تدبّر اسی شخص کے لئے ہے جو اپنے افعال و اعمال اور کردار پہ گہری نظر رکھتا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور پھر حقائق کو جان کر وہ اپنے مستقبل کو شمعِ ہدیٰ کی روشنی میں استوار کرتا ہے۔ وہ یقیناً ایک سچّا عبد بن کر آستانۂ الوہیت سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس محاسبہ نفس کے لئے بنیاد تقویٰ ہے۔ اور اس تقویٰ سے ہی ایک نافع وجود پیدا ہوتا ہے

سیّدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ...... نے اس محاسبہ کے بارہ میں فرمایا:۔

"خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو۔ اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ۔ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو۔ اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اسی کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو۔ کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ

سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا......"
(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۲)

محاسبہ نفس کے لئے یہ ایک عظیم الشان سبق ہے۔ تقویٰ نیک اعمال و افعال کے درخت کیلئے ایک جڑ ہے۔ اگر یہ جڑ قائم ہے اور نیکی کے درخت کو غذا دے رہی ہے تو یہ درخت سرسبز و شاداب رہے گا۔ اور پھول پھل لائے گا۔ اور اسی تقویٰ سے ہی احتساب کا عمل ایک انسان کو باخدا انسان بنا سکتا ہے۔ اور یہ عمل خود احتسابی کے ذریعہ ہو تو نہایت احسن و افضل ہے۔ ورنہ گردشِ ایام سے تو احتساب ہو گا ہی پھر اس کے ساتھ ایک نئی زندگی پانے کے لئے جد و جہد کا عہد بھی نہایت ضروری ہے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ...... اسی نفخ روح کے لئے مبعوث کئے گئے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے۔ جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو۔ اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدبخت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں..."
(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۲)

آج دنیا ان اخلاقی قدروں سے خالی ہے جو باہمی محبت و الفت اور امن و سکینت کو جنم دیتی ہیں۔ ایک نئی زندگی دینے کے لئے بنی نوع انسان کو پکارا گیا۔ مگر اسے نہ سنا گیا۔ نہ قبول کیا گیا۔ نتیجۃً ہر ایسی قوم و ملت کی معاشرتی زندگی تلپٹ ہو گئی۔ اور وہ بغض و نفرت اور افتراق و تشتت کا شکار ہو گئی۔ پس ہر پیر و جوان فرد ہو یا قوم سب کیلئے دعوت فکر ہے۔ آئیے اور محاسبہ کیجئے۔ کہ گزرنے والے سال میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا اور ہماری منزل کہاں ہے؟

◎

امام الکلام

جلسہ سالانہ کے عظیم الشّان مقاصد

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود...... فرماتے ہیں :۔

"تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے۔ اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدا تعالیٰ چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو۔ اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے۔ کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی۔ اور چونکہ ہر ایک کیلئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بُعدِ مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کیلئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کیلئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں۔ لہٰذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کیلئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدم موانع قویّہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں......

اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کیلئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کیلئے خاص دعائیں اور خاص توجّہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الرّاحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے۔" (روحانی خزائن جلد ۴ صـ ۳۵۱)

"اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقاتِ اخوّت استحکام پذیر ہوں گے۔" (مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صـ ۳۴۰)

کلام الامام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود...... فرماتے ہیں :۔

"آپؐ کی عبادت ایک دورِ تسلسل کا رنگ رکھتی ہے کہ کچھ حصۂ وقت جب عبادت میں گزارتے تو خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اس کام کی توفیق دی اس کا شکر بجالانا ضروری ہے اس جذبۂ ادائیگی شکر سے بے اختیار ہو کر کچھ اور عبادت کرتے اور پھر اسے بھی خدا تعالیٰ کا ایک احسان سمجھتے کہ شکر بجالانا بھی ہر ایک کا کام نہیں جب تک خدا تعالیٰ کا احسان نہ ہو پھر اور بھی زیادہ شوق سے جلوہ نمائی ہوتی اور پھر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اور یہ راز و نیاز کا سلسلہ ایسا وسیع ہوتا کہ بارہا عبادت کرتے کرتے آپؐ کے پاؤں سوجھ جاتے......

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں...... "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوا کرتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپؐ کے قدم یا (کہا) پنڈلیاں سوج جاتیں۔ لوگ جب آپؐ سے کہتے کہ آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو آپؐ جواب دیتے کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (ترجمہ حدیث بخاری جلد ا کتاب التہجد)

اللہ اللہ کیا عشق ہے کیا محبت ہے کیا پیار ہے خدا تعالیٰ کی یاد میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ خون کا دوران نیچے کی طرف شروع ہو جاتا ہے اور آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ لیکن محبت اس طرف خیال ہی جانے نہیں دیتی۔ آس پاس کے لوگ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کرتے کیا ہیں۔ اور آپؐ کے درد سے تکلیف محسوس کر کے آپؐ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ آپؐ یہ کیا کرتے ہیں اور کیوں اپنے آپ کو اس تکلیف میں ڈالتے ہیں اور اس قدر دُکھ اٹھاتے ہیں..... مگر وہ دُکھ جو لوگوں کو بے چین کر دیتا ہے اور جس سے دیکھنے والے متاثر ہو جاتے ہیں آپؐ پر کچھ اثر نہیں کرتا..... اور انہیں جواب دیتے ہیں کہ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ وہ مجھ پر اس قدر احسان کرتا ہے اس قدر فضل کرتا ہے اس شفقت کے ساتھ مجھ سے پیش آتا ہے پھر کیا اس کے اس حُسنِ سلوک کے بدلہ میں اس کے نام کا وِرد نہ کروں؟ اس کی بندگی میں کوتاہی شروع کر دوں۔

کیا اخلاص سے بھرا ہوا اور کیسی شکر گزاری ظاہر کرنے والا یہ جواب ہے۔ اور کس طرح آپؐ کے قلب مطہر کے جذبات کو کھول کر پیش کر دیتا ہے۔ خدا کی یاد اسکے ذکر کی یہ تڑپ اور کسی کے دل میں ہے؟ کیا کوئی اور اس کا نمونہ پیش کر سکتا ہے....."

(سیرت النبیؐ صفحہ ۵۴-۵۵)

عربی منظوم کلام

وَمِثْلُكَ رَجُلًا مَا سَمِعْنَا تَعَبُّدًا

وَجَاءُوْا وَنُوْرٌ مِّنْ وَّرَاءٍ يَسُوْقُهُمْ ⁛ اِلَيْهِ وَنُوْرٌ مِّنْ اَمَامٍ مُّقَوِّدًا

اور وہ آگئے اس کی طرف جبکہ ایک نور ان کو پیچھے سے چلا رہا تھا اور ایک راہنمائی کرنے والا نور ان کے آگے تھا

وَهٰذَا مِنَ النُّوْرِ الَّذِيْ هُوَ اَحْمَدُ ⁛ فِدًى لَّكَ رُوْحِيْ يَا مُحَمَّدُ سَرْمَدًا

یہ سب کچھ اس کے نور کی برکت سے تھا جو کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میری روح اے محمد! آپؐ پر ہمیشہ قربان ہے

اُمِرْتَ مِنَ اللّٰهِ الَّذِيْ كَانَ مُرْشِدًا ⁛ فَاَحْرَقْتَ بِدْعَاتٍ وَقَوَّمْتَ مَرْصَدًا

تو اس اللہ کی طرف سے مامور کیا گیا جو رشد عطا کرنے والا ہے۔ سو تُو نے بدعتوں کو مٹا ڈالا اور راستہ کو سیدھا کر دیا

وَجِئْتَ لِتَنْجِيَةِ الْاَنَامِ مِنَ الْهَوٰى ⁛ فَوَاهًا لِمُنَجٍّ خَلَّصَ الْخَلْقَ مِنْ رَدٰى

اور تو مخلوق کو خواہشاتِ نفس سے نجات دینے کیلئے آیا۔ سو آفرین ہے ایسے نجات دہندہ پر جس نے خلقت کو ہلاکت سے بچا لیا

وَتَوَرَّمَتْ قَدَمَاكَ لِلّٰهِ قَائِمًا ⁛ وَمِثْلُكَ رَجُلًا مَا سَمِعْنَا تَعَبُّدًا

خدا کے حضور قیام میں تیرے قدم متورّم ہو گئے اور عبادت کرنے میں تیرے جیسا آدمی ہمارے سننے میں نہیں آیا

جَذَبْتَ اِلَى الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ بِقُوَّةٍ ⁛ وَمَا ضَاعَتِ الدُّنْيَا اِذِ الدِّيْنُ شُيِّدَا

تُو نے سچے دین کی طرف (لوگوں کو) قوّت کے ساتھ کھینچ لیا اور (ان کی) دنیا بھی ضائع نہ ہوئی جبکہ (ان کا) دین مضبوط کیا گیا

وَاَرْسَلَكَ الْبَارِيْ بِاٰيَاتِ فَضْلِهٖ ⁛ لِكَيْ تُنْقِذَ الْاِسْلَامَ مِنْ فِتَنِ الْعِدَا

اور خدا نے تجھے اپنے فضل کے نشانوں کے ساتھ بھیجا تا کہ تُو اسلام کو دشمنوں کے فتنوں سے چھڑا لے

يُحِبُّ جَنَانِيْ كُلَّ اَرْضٍ وَطِئْتَهَا ⁛ فَيَا لَيْتَ لِيْ كَانَتْ بِلَادُكَ مَوْلِدًا

میرا دل ہر اس زمین سے محبّت رکھتا ہے جس پر تُو چلا۔ پس کاش تیرا ملک میری جائے پیدائش ہوتا

(کرامات الصادقین صفحہ ٥١)

فارسی منظوم کلام

بینم انوارِ خدا در روئے تو اے دلبرم

زندہ آں شخصے کہ نوشد جرعۂ از چشمہ ات ❖ زیرک آں مردیکہ کرد است اتباعت اختیار

وہ شخص زندہ ہے جو تیرے چشمہ سے پانی کے گھونٹ پیتا ہے اور وہی انسان عقلمند ہے جس نے تیری پیروی اختیار کی

عارفاں را منتہائے معرفت علمِ رُخت ❖ صادقاں را منتہائے صدق بر عشقت قرار

عارفوں کی معرفت کا آخری نقطہ تیرے رُخ کا علم ہے اور راستبازوں کے صدق کا منتہا تیرے عشق پر قائم ہے

بے تو ہرگز دولتِ عرفاں نمے یابد قرار ❖ گرچہ میرد در ریاضت ہا و جہدِ بے شمار

تیرے ذریعہ کے بغیر کوئی عرفان کی دولت نہیں پاسکتا۔ اگرچہ وہ بے انتہا ریاضتیں اور جدوجہد کرتا مر بھی جائے

تکیہ بر اعمالِ خود بے عشق روئیت ابلہی است ❖ غافل از روئیت نہ بیند روئے نیکی زینہار

تیرے عشق کے بغیر اپنے اعمال پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے جو تیرے منہ سے غافل ہے وہ ہرگز نیکی کا منہ نہ دیکھے گا

در دمے حاصل شود نورے ز عشقِ روئے تو ❖ کاں نباشد سالکاں را حاصل اندر روزگار

تیرے چہرہ کے عشق کی وجہ سے ایک دم میں وہ نور حاصل ہو جاتا ہے جو سالکوں کو ایک لمبے زمانہ میں حاصل نہیں ہوتا

اتباع و عشقِ روئیت از رہِ تحقیق چیست ❖ کیمیائے ہر دلے اکسیرِ ہر جانِ فگار

تیری اتباع اور تیرا عشق ہر دل کے لئے کیمیا اور ہر زخمی جان کے لئے اکسیر ہے

بینم انوارِ خدا در روئے تو اے دلبرم ❖ مستِ عشقِ روئے تو بینم دلِ ہر ہوشیار

اے میرے دلبر میں انوارِ الٰہی تیرے چہرہ پہ دیکھتا ہوں اور ہر عقلمند دل کو تیرے چہرے کے عشق میں سرشار پاتا ہوں

(روحانی خزائن جلد ۵ صـ ۲۵-۲۷)

قربانِ ربِّ جلیل

کلام حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

خدا پر خدا سے یقین آتا ہے
وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے
کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل
تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دل
کہ دلدار کی بات ہے اک غذا
مگر تو ہے منکر تجھے اس سے کیا
نہیں تجھ کو اس رہ کی کچھ بھی خبر
تو واقف نہیں اس سے اے بے ہنر
وہ ہے مہربان و کریم و قدیر
قسم اُس کی اُس کی نہیں ہے نظیر
جو ہوں دل سے قربانِ ربِّ جلیل
نہ نقصان اٹھاویں نہ ہوویں ذلیل

(درثمین اردو)

اُسوۂ حسنہ

سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی

اللہ تعالیٰ سے انتہا درجہ کی محبت

آپؐ کی عبادات میں محبت و فدائیت کا رنگ

(۵)

نصراللہ خان ناصر

وَتَوَرَّمَتْ قَدَمَاكَ لِلّٰهِ قَائِمًا
وَمِثْلُكَ رَجُلًا مَا سَمِعْنَا نَعَبُّدًا

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

خُدا کے حضور قیام میں تیرے قدم متورم ہو گئے اور عبادت کرنے میں تیرے جیسا آدمی ہمارے سُننے میں نہیں آیا۔

یہ تقاضائے فطرت ہے کہ جہاں محبت ہو اس سے تعلق اور اس کے اظہار افعال و اعمال کا رنگ ہی نرالا ہوتا ہے۔ ہر قول و فعل سے اخلاص و عقیدت ٹپکتی ہے۔ ہر ہر سانس سے محبت کی خوشبو آتی ہے۔ محبوب کی طرف ایک عجیب کشش و جذب کی کیفیت ہوتی ہے۔ جہاں محبت مانع ہوتی ہے کہ اس جیسا کوئی وجود راہ میں حائل نہ ہو اور اس کی محبت میں شریک نہ ہو، وہاں اس اظہار محبت میں بھی نرالا رنگ نظر آتا ہے۔ اس وقت کوئی بھی محبّ اپنے اظہارِ محبت میں اپنا ہمسر گوارا نہیں کرتا اور وہ اپنی محبت میں تنہائی یکسوئی اور تسلسل چاہتا ہے اور پھر اپنے تئیں محبوب کے وجود میں فنا کی تڑپ رکھتا ہے۔ کہ تا کوئی دوئی اور غیریت کی شکل باقی نہ رہے۔ بندے اور اس کے رب کے درمیان یہ رنگِ محبت "عبادت" کہلاتا ہے۔ اور جس حد تک کسی مُحبّ میں محبت کا جذبہ ہو گا اسی حد

تک عبادت کا حُسن پیدا ہو گا۔ اور جس قدر وہ اپنے رب کے حُسن و احسان کا اپنے اندر احساس پیدا کرے گا۔ اسی قدر عبادات میں اعلیٰ درجہ کا رنگ رکھے گا۔

خالص اللہ تعالیٰ کیلئے عبادت :-

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب عبادت خالصتاً لِوَجْہِ اللّٰہ ہو گی تو اس میں للّٰہیت اور رضاء باری تعالیٰ مقصد و محور ہو گی۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ...... سیّدنا حضرت اقدس محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے اس حسین پہلو کا ذکر یوں فرماتے ہیں :-

"...... قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی لوگوں کو اطلاع دے دے کہ میری یہ حالت ہے کہ میں اپنے وجود سے بالکل کھو گیا ہوں۔ میری تمام عبادتیں خدا کے لئے ہو گئی ہیں ....
یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا میں گم اور محو ہو گئے تھے کہ آپؐ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپؐ کی موت محض خدا تعالیٰ کے لئے ہو گئی تھی۔ اور آپؐ کے وجود میں نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصّہ باقی نہیں رہا تھا۔ اور آپؐ کی رُوح خدا کے آستانے پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس میں غیر کی آمیزش نہیں رہی تھی ...."

(ریویو آف ریلیجنز جلد اوّل ص۱۷۶)

عبادت میں دائمی حضور کا رنگ :-

اسی طرح محبت الٰہی اس طور پر بھی نکھر کر سامنے آتی ہے کہ عبادات میں دائمی حضور و محویت کا رنگ ہو اور یہی انتہائی محبتِ الٰہی کا ثبوت ہے حضرت اقدس مسیح موعود ...... فرماتے ہیں :-

"ہم نے اکثر جگہ صرف محبت الٰہیہ ذاتیہ کا ذکر کیا ہے اور رُوح القدس کا نام نہیں لیا کیونکہ اس کا باہم تلازم ہے اور جب رُوح کسی مومن پر نازل ہوتی ہے تو تمام بوجھ عبادات کا اس کے سر سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس میں ایک ایسی قوّت اور لذّت آجاتی ہے جو وہ قوّت تکلّف سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے یاد الٰہی اس سے کراتی ہے اور عاشقانہ جوش اس کو بخشتی ہے۔ پس ایسا مومن

جبرائیل علیہ السلام کی طرح ہر وقت آستانہ الٰہی کے آگے حاضر رہتا ہے۔ اور حضرتِ عزّت کی دائمی ہمسائیگی اس کے نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس درجہ کے بارہ میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ یعنی مومن کامل وہ لوگ ہیں کہ ایسا دائمی حضور ان کو میسر آتا ہے کہ ہمیشہ وہ اپنی نماز کے آپ نگہبان رہتے ہیں۔ یہ اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس درجہ کا مومن اپنی روحانی بقا کے لئے نماز کو ایک ضروری چیز سمجھتا ہے اور اس کو اپنی غذا قرار دیتا ہے۔ جس کے بغیر وہ جی نہیں سکتا۔ یہ درجہ بغیر اس روح کے حاصل نہیں ہو سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مومن پر نازل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کہ مومن خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جان کو ترک کر دیتا ہے تو ایک دوسری جان پانے کا مستحق ہوتا ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۴)

عبادات کی اہم خصوصیت:

عبادات کی ایک خصوصیت کامل تذلّل اور اس میں اجتماعیت کا حسن ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"عبادت کامل تذلّل کا نام ہے۔ پس عبادت کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بندہ اپنے اندر پیدا کرے۔ عبادت کی ظاہری علامات صرف قلبی کیفیت کو بدلنے کیلئے مقرر ہیں۔ ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت دل کی کیفیت اور اس کے ماتحت انسانی اعمال کے صدور کا نام ہے اور خاص اوقات کی تعیین اور قبلہ رُو ہونا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا یا رکوع و سجود کرنا یہ اصل عبادت نہیں بلکہ جسم کی ظاہری حالت کا اثر چونکہ دل پر ہوتا ہے اور توجہ بھی قائم ہوتی ہے۔ نماز کیلئے کچھ ظاہری علامات بھی مقرر کر دی گئی ہیں۔ مگر وہ بمنزلہ برتن کے ہیں جس میں معرفت کا دودھ ڈالا جاتا ہے یا بطور چھلکے کے ہیں جس میں عبادت کا مغز رہتا ہے۔

..... (یہاں) جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یعنی یوں کہا گیا ہے کہ "ہم عبادت کرتے ہیں" اور "ہم مدد مانگتے ہیں" اور "ہمیں سیدھا راستہ دکھا"۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ (دین حق) ایک مدنی مذہب ہے۔ وہ سب کیلئے ترقی چاہتا ہے۔ نہ کہ کسی ایک شخص کیلئے۔ اور یہ بھی کہ ہر (ایک) دوسرے کا نگران مقرر کیا گیا ہے۔ اس کا یہی کام نہیں کہ خود عبادت کرے بلکہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کو عبادت کی تحریک کرے۔ اور اس وقت تک تحریک نہ چھوڑے جب تک وہ اس کے ساتھ عبادت کرنے میں شامل نہ ہو

جائیں اور وہ آپ ہی اللہ تعالیٰ پر توکّل نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی توکّل کی تعلیم دے اور اس وقت تک بس نہ کرے جب وہ توکّل میں اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں۔ اور وہ خود ہدایت کا طالب نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی ہدایت طلب کرنے کی نصیحت کرے اور بس نہ کرے جب تک ان کے دل میں بھی ہدایت طلب کرنے کی تڑپ پیدا ہو کر وہ اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں......" (جلد اوّل صـ ۳۰)

الغرض حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خاطر تھیں۔ ان کا منتہائے مقصود رضائے باری تعالیٰ اور اس کی خوشنودی تھا۔ ان میں حضورِ قلب، کامل محبت و محویت کا رنگ تھا۔ کامل تذلل اور اجتماعیت کے لئے ایک گہری تڑپ اور جذبہ اس میں کارفرما تھا۔ آپؐ کی سیرت و اعمال میں عبادات کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کے اثرات امتِ محمدیہ کے اجتماعی نظام پر جا بجا نظر آتے ہیں۔

نماز — مومن کا معراج :-

عبادات میں نماز کو بنیادی اور اوّلین حیثیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ وہ زینہ ہے جس سے روحانی رفعتوں کے غیر متناہی سفر میں قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور وہ محبت الٰہی کے بحرِ بے کنار میں دائمی لذّت و سرور پاتا ہے۔ دیگر عبادات میں بھی ہر کہیں نماز کی عبادت شامل نظر آتی ہے۔ جو ایک عظیم الشان محور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کے بغیر وہ عبادات تکمیل پذیر نہیں ہوتیں۔

دیگر مذاہب نے تنہائی خلوت توجہ اور یکسوئی یا محض مشقتوں یا بعض بدنی مشقتوں اور ریاضتوں کو عبادت سمجھا۔ جنگلوں اور صحراؤں میں وقت گزار کر معبود کو تلاش کیا، مگر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینِ حق دیا جس نے مدنیت، اجتماعیت اور روزمرّہ کی زندگی میں ربِّ کریم سے ملایا۔ رات کی تاریکیوں میں بھی اسے پایا۔ تنہائی میں بھی باتیں کیں۔ مصروف دن میں بھی اس کی محبت دیکھی۔ سمندروں اور صحراؤں جنگلوں اور بیابانوں پہاڑوں میں بھی اس کا حسین چہرہ دیکھا اور آسمان کی بلندیوں میں قَابَ قَوسَین پر مشاہدہ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا والہانہ انداز:-

آپؐ کی اس اعلیٰ درجہ کی بدنی عبادت کا بھی عجیب رنگ ہے۔ پوری طرح توجہ مرکوز ہے کہ اپنے خالق فاطر خدا کی طرف جسم و جان اور قلب و دماغ پوری طرح پوری عاجزی سے جھکے ہوئے کسی اور معبود کا انکار کرتے ہوئے اسکی سچی وحدانیت کا اعلان کرتے ہیں اور اسکی کبریائی کا عملی اظہار کرتے ہوئے مؤدبانہ انداز قیام ہے جو اس سے بڑھ کر کوئی اور ادب کا مقام نہیں ہو سکتا۔

پھر خدا تعالیٰ کی ثناء اور تسبیح و تحمید ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کیلئے ممکن نہیں۔ یہ دراصل حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان اسوہ ہے اپنے مولا کریم کے احسانات کو یاد کرنے کا اور اس بیان حسن کا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایک لفظ پر رقت پیدا ہوتی ہے۔ ربّ کریم کی طرف دل اتنا جھکتا ہے کہ منفی تحریکات سے ہٹ کر وہ اپنے مالکِ حقیقی کی پناہ میں آتا ہے۔

سورۃ فاتحہ ۔ عبودیت و استعانت اور طلب ہدایت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج مومن کیلئے جو راہ گزر متعین کی اور جسے آپ نے اختیار کیا اس میں رب کریم کی نہایت عظیم الشان صفات ربّ العالمین، رحمٰن رحیم اور مالک یوم الدین کا تصوّر دیا۔ جو بلا تفریق و امتیاز عالمین پر حاوی ہیں۔ ان صفات کی کوئی حد نسبت نہیں۔ کائنات کی کوئی چیز ان سے محروم نہیں جس کا لازمی نتیجہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی قرار پاتا ہے۔ آپ نے مومن کو یہ سوچ دی کہ وہ جس مقام پر ترقی پاتا ہے اس سے اگلی منزل اس کے سامنے نظر آتی ہے اور اس کیلئے بے حد و شمار اسکی ربوبیت موجود ہے اور یہ ربوبیت اسی کیلئے نہیں بلکہ تمام عالمین کے لئے ہے۔ پھر اسکے ہر کام میں ایک عظیم مقصدیت نظر آتی ہے۔ کہیں عبث و باطل کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس گہرائی اور کنہہ میں جا کر محویت کا عالم طاری ہوتا ہے اس کیفیتِ نماز میں خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیتِ عالمین، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کے آئینہ میں ایک نہایت پیار کرنے والے خدا تعالیٰ کا حسین چہرہ دکھتا ہے۔ جس سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں قلبِ مومن میں وصل و لقا کے لئے بے چینی و بے قراری اور شدید تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ آئینۂ صفات میں جب باری تعالیٰ کا حسن دیکھتا ہے تو ایک دم بے قابو اور بے اختیار ہو کر اپنے محبوب سے مخاطب ہوتا ہے اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پکار اٹھتا ہے اور ماہی بے آب کی طرح اس آبِ حیات کو حاصل کرنے کیلئے انتہائی تذلّل سے استعانت کا طلبگار رہتا ہے۔ اور دائمی حیات کی خاطر "صراطِ مستقیم" کیلئے پکار اُٹھتا ہے۔ اور فلاح و کامیابی کا متلاشی ہوتا ہے۔ حضرت اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تجویز کردہ عبادت سراپا محبت کا رنگ رکھتی ہے جو محبوب حقیقی کی طرف سے سچے محب پر نازل ہوئی۔ جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب و معاشرہ میں نہیں ہے۔

پھر صفاتِ باری تعالیٰ کا کامل تصور انتہا درجہ کی محبت کو جنم دیتا ہے اور یہ تصور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کو نماز کا لازمی حصہ قرار دے کر پیش کیا۔ اس میں حمد، اقرار عبادت و طلب استعانت صراط مستقیم کی جو تڑپ پیدا ہوتی ہے پھر یہاں ایک طالب و سالک کیلئے صراط مستقیم کا نقشہ بھی موجود ہے۔ اور اس کی مثالیں کہ مثبت اور منفی تحریکات کے کیا نتائج ہیں۔ مومن کو آگاہ کیا اور رب کریم کے شایانِ شان

تذلّل و انکساری کو رکوع و سجود کی شکل میں ڈھال دیا گیا۔ اور اپنے مولیٰ کی عظمت اور علوِّ مرتبت کا اقرار کروایا اور بار بار کے اس عمل سے اس کے دل میں بے انتہا تڑپ اور محبت پیدا کر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت میں سوز و گداز:۔

بار بار کے ان افعال و اعمال سے اس عظیم الشان محبّ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں آتشِ محبت بھڑکتی تھی اور دل میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ کی نماز کے اس سوز و گداز کو یوں دیکھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن الشخیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد سے روایت ہے۔

قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یُصَلِّیْ وَلِجَوْفِہٖ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُکَاءِ (شمائل الترمذی)

فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اور آپؐ کے رونے سے آپؐ کے سینے سے ہنڈیا کے اُبلنے کی طرح آواز آرہی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ کی باری میرے ہاں تھی۔ ایک تاریک رات حضورؐ نصف شب کے قریب اٹھے۔ میرے دل میں نسوانی کمزوری کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ دیکھوں حضورؐ کہاں جاتے ہیں۔ حضورؐ اٹھے اور سیدھے قبرستان تشریف لے گئے۔ اور نوافل پڑھنا شروع کر دیئے۔ قیام اور رکوع کے بعد حضورؐ سجدہ میں پڑ گئے۔ اس وقت آپؐ کا سینہ ہنڈیا کی طرح اُبل رہا تھا اور حضورؐ بار بار فرماتے تھے

اَللّٰھُمَّ سَجَدَتْ لَکَ رُوْحِیْ وَجَنَانِیْ۔ اَللّٰھُمَّ سَجَدَتْ لَکَ رُوْحِیْ وَجَنَانِیْ۔

اے اللہ میری رُوح اور میرا جسم تیرے حضور سجدہ کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے لئے جو محبت تھی اس کے لئے آپؐ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب تھا۔ دل میں بے انتہا تڑپ تھی۔

آپؐ کی عبادتِ نماز ۔ اور مقامِ عبدِ شکور:۔

آپؐ تمام اعلیٰ کمالات و اوصافِ حسنہ کے جامع اور سرچشمہ تھے۔ مگر عبادات کو اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان سمجھتے۔ خدا تعالیٰ کی نعماء اور فضلوں کا خیال آپؐ کے دل میں اس قدر موجزن تھا۔ کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاتے اور

راز و نیاز کا سلسلہ اتنا وسیع ہو جاتا کہ عبادت کرتے کرتے آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ اس قدر عبادت؟ آپؐ کے تو گناہ صاف ہو چکے ہیں۔ اس کا جواب آپؐ یہی دیتے کہ پھر میں خدا کا شکر نہ کروں۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بیان فرماتے ہیں:-

"کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَقُوْمُ لِیُصَلِّیَ حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاہُ اَوْ سَاقَاہُ فَیُقَالُ لَہٗ فَیَقُوْلُ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔"

(بخاری جلد الکتاب التہجد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوا کرتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ کے قدم یا پنڈلیاں سوج جاتیں۔ جب لوگ آپؐ سے کہتے (کہ آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں) تو آپؐ جواب دیتے کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد سے بر یزدل انعامات خداوندی کا وارث قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ کہ اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں اور بھی تمہیں اپنے انعاموں اور احسانوں سے نوازوں گا۔ حضرت اقدس مسیح موعود... آپؐ کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

؎ وَتَوَرَّمَتْ قَدَمَاکَ لِلّٰہِ قَائِمًا ⁂ وَمِثْلُکَ رَجُلًا مَا سَمِعْنَا تَعَبُّدًا

(کرامات الصادقین ص۵۱)

ترجمہ: خدا کے حضور تیرے قدم متورّم ہو گئے اور عبادت کرنے میں تیرے جیسا آدمی ہمارے سننے میں نہیں آیا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود..... اسوۂ رسولؐ کے اس پہلو کو اس طرح فرماتے ہیں:-

"اللہ اللہ کیا عشق ہے۔ کیا محبت ہے کیا پیار ہے۔ خدا تعالیٰ کی یاد میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ خون کا دوران نیچے کی طرف شروع ہو جاتا ہے اور آپ کے پاؤں متورّم ہو جاتے ہیں۔ لیکن محبت اس طرف خیال ہی جانے نہیں دیتی۔ آس پاس کے لوگ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ اور آپؐ کے درد سے تکلیف محسوس کر کے آپؐ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ آپؐ یہ کیا کرتے ہیں اور کیوں اپنے آپ کو اس تکلیف میں ڈالتے ہیں۔ اور اس قدر دکھ اٹھاتے ہیں..... مگر وہ دکھ جو لوگوں کو بے چین کر دیتا ہے اور جس سے دیکھنے والے متاثر ہو جاتے

ہیں ۔ آپ پر کچھ اثر نہیں کرتا ...... اور انہیں جواب دیتے ہیں کہ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ۔ وہ مجھ پر اس قدر احسان کرتا ہے اس قدر فضل کرتا ہے اس شفقت کے ساتھ پیش آتا ہے پھر کیا اس کے اس حسنِ سلوک کے بدلہ میں اس کے نام کا وِرد نہ کروں ؟ اس کی بندگی میں کوتاہی شروع کر دوں ۔

کیا اخلاص سے بھرا ہوا اور کیسی شکر گزاری کرنے والا یہ جواب ہے اور کس طرح آپؐ کے قلبِ مطہر کے جذبات کو کھول کر پیش کر دیتا ہے ۔ خدا کی یاد ، اس کے ذکر کی یہ تڑپ اور کسی کے دل میں ہے ۔ کیا کوئی اور اس کا نمونہ پیش کر سکتا ہے ؟"

(سیرت النبی صفحہ ۵۴-۵۵)

(جاری)

ضروری اعلان

ماہنامہ انصار اللہ کے چندہ میں اضافہ

محترم صدر صاحب مجلس انصار اللہ پاکستان کی منظوری سے عہدیداران انصار اللہ اور خریداران انصار اللہ کی اطلاع کیلئے یہ اعلان ہے کہ یکم جنوری ۱۹۹۶ء سے ماہنامہ انصار اللہ کی شرح چندہ میں مہنگائی میں زیادتی کی وجہ سے مجبوراً اضافہ کرنا پڑا ہے ۔ نئی شرح سالانہ حسب ذیل ہوگی ۔

۱۔ پاکستان ——————— ساٹھ روپے (۶۰)

۲۔ بیرونی ممالک اپنی پرانی شرح کے مطابق ہی ادائیگی فرمائیں گے ۔

قرآن مجید کے اعجازی اثرات

محترم میاں عبدالقیوم صاحب راولپنڈی

(قسط اول)

قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام کتب سماویہ میں وہی ایک ایسی کتاب ہے جو ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے۔ تعلیم و ہدایت کا وہ ایسا سرچشمہ ہے جو نزول کے وقت سے لے کر اس وقت تک غیر محرف اور غیر مبدل چلا آرہا ہے اور قیامت تک محفوظ اور غیر مبدل رہے گا کیونکہ اس کی ظاہری اور باطنی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے۔

قرآن مجید کی کاملیت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں دو پہلو خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی ہدایت انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور اس کے ساتھ انسانی فطرت کو اپیل کرنے کے لئے اس کی تائید میں کثرت سے عقلی و نقلی دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید پر غور و فکر اور اس کی تلاوت انسانی قلب پر نہایت گہرا اثر ڈالتی ہے۔ یہاں تک کہ خشیت الٰہی سے انسانی روح خدا کے آستانہ پر بے اختیار سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ دونوں امور کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

”آج روئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلام الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ جس کے اصول نجات کے بالکل راستی اور وضع فطرتی پر مبنی ہیں۔ جس کے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہین قویہ ان کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں۔ جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں۔ جس کی تعلیمات ہر یک طرح کی آمیزش شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلّی پاک ہیں۔ جس میں توحید اور تعظیم الٰہی اور کمالات حضرت عزت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے۔ جس میں

یہ خوبی ہے کہ سراسر وحدانیت جناب الٰہی سے بھرا ہوا ہے اور کسی طرح کا دھبہ نقصان اور عیب اور نالائق صفات کا ذات پاک حضرت باری تعالیٰ پر نہیں لگاتا اور کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور ہریک اصول کی حقیقت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبہ یقین کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے"۔

(روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ ۸۱، ۸۲)

"بجز قرآن شریف کے اور کوئی ذریعہ آسمانی نوروں کی تحصیل کا موجود نہیں اور خدا نے اس غرض سے کہ حق اور باطل میں ہمیشہ کے لئے مابہ الامتیاز قائم ہے اور کسی زمانہ میں جھوٹ سچ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ امت محمدیہ کو انتہا زمانہ تک یہ دو معجزے یعنی اعجاز کلام قرآن اور اعجاز اثر کلام قرآن نے عطا فرمائے ہیں جن کے مقابلہ میں مذاہب باطلہ ابتداء سے عاجز چلے آتے ہیں اور اگر صرف اعجاز کلام قرآن کا معجزہ نہ ہوتا تو امت محمدیہ کو آثار اور انوار ایمان میں کیا زیادتی ہوتی۔ کیونکہ مجرد زہد اور عفت اعجاز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا"۔

(روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ ۲۸۲ - ۲۸۳)

اس مضمون میں قرآن مجید کی کاملیت کے دوسرے پہلو یعنی اعجاز اثر کلام پر کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔ وباللہ التوفیق۔

سو یاد رہے کہ تعلیم و ہدایت کا کامل ہونا بے شک اپنی ذات میں ایک عظیم الشان معجزہ ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دیگر کتب سماویہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات کہیں نہ کہیں ابھی تک موجود ہیں۔ مثلاً خدا کی عبادت، والدین سے حسن سلوک، سچ، امانت، دیانت وغیرہ۔ اور یہی تعلیم قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ گو فرق کاملیت اور غیر کاملیت کا ہے تاہم دوسرے پہلو یعنی اعجاز اثر کلام میں قرآن مجید کا اور کوئی آسمانی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید میں یہ اثر ایک عظیم الشان برہان ہے جو چودہ سو سال سے اپنا اعجاز لاکھوں انسانوں پر ظاہر کرتا آ رہا ہے۔ نتیجۃً ہر زمانہ میں ایسے عارف باللہ موجود رہے ہیں جنہوں نے تمام دنیا کے سامنے اس اعجاز اثر کلام کا دعویٰ کیا ہے اور جسے انہوں نے واضح دلائل سے ثابت بھی کیا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف معقولی رنگ میں اور آسمانی نشانوں کے رنگ میں نہایت سہل اور آسان

طریق سے خدا تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اس میں ایک برکت اور قوت جاذبہ ہے جو خدا کے طالب کو دمبدم خدا کی طرف کھینچتی اور روشنی اور سکینت اور اطمینان بخشتی ہے اور قرآن شریف پر سچا ایمان لانے والا صرف فلسفیوں کی طرح یہ ظن نہیں رکھتا کہ اس پر حکمت عالم کا بنانے والا کوئی ہونا چاہئے بلکہ وہ ایک ذاتی بصیرت حاصل کرکے اور ایک پاک روایت سے مشرف ہو کر یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے کہ فی الواقع وہ صانع موجود ہے اور اس کلام پاک کی روشنی حاصل کرنے والا محض خشک معقولیوں کی طرح یہ گمان نہیں رکھتا کہ خدا واحد لاشریک ہے بلکہ صدہا چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ جو اس کا ہاتھ پکڑ کر ظلمت سے نکالتے ہیں واقعی طور پر مشاہدہ کرلیتا ہے کہ درحقیقت ذات اور صفات میں خدا کا کوئی بھی شریک نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ عملی طور دنیا کو دکھا دیتا ہے کہ وہ ایسا ہی خدا کو سمجھتا ہے اور وحدت الٰہی کی عظمت ایسی اس کے دل میں سما جاتی ہے کہ وہ الٰہی ارادہ کے آگے تمام دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بلکہ مطلق لاشے اور سراسر کالعدم سمجھتا ہے"۔

(روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۶-۱۷)

اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید اپنا یہ اعجازی اثر انسانوں پر ڈالتا کس طرح ہے سو واضح رہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن مجید بہت سے طرق استعمال کرتا ہے جن سے چند کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ ایک طریق یہ ہے کہ قرآن مجید پہلے ظاہری نظام عالم اور ان قوانین قدرت کو پیش کرتا ہے جن کو انسان دیکھتا اور جانتا ہے۔ پھر ساتھ ہی وہ متوازی روحانی نظام اور روحانی قوانین کو پیش کردیتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانی فطرت روحانی نظام اور روحانی قوانین کو بھی قبول کرلیتی ہے۔

۲۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ قرآن مجید صفات باری تعالیٰ کو بار بار مختلف پیرایوں اور مختلف زاویوں سے پیش کرتا ہے۔ اس طرح سے وہ قلب انسانی میں خدا سے تعلق کے جذبہ کو بیدار کرتا رہتا ہے۔

۳۔ تیسرا طریق یہ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفات جمالی پر بہت زور دیتا ہے اور اگر کہیں صفات جلالی کا ذکر ضروری ہو تو جمالی صفات کو ساتھ ہی بیان کردیتا ہے تا انسان میں دوری اور مایوسی پیدا نہ ہو اور امرواقعہ بھی تو یہی ہے۔

۴۔ چوتھا طریق یہ ہے کہ قرآن مجید مقربین الٰہی کے حالات اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ فطرت انسانی

میں ان مقربین جیسا بننے کی خواہش اور تمنا پیدا ہوتی ہے۔
۵۔ پانچواں طریق یہ ہے کہ قرآن مجید نیکی اور بدی کے مختلف نمونے اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ انسان میں نیکی کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے اور بدی سے نفرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

قرآن مجید کا ایک اعجازی اثر

چنانچہ قرآن مجید خدا کے مقرب بندوں کا ذکر خیر اس انداز سے کرتا ہے کہ فطرت انسانی ان مقرب بندوں کا رنگ اختیار کرنے پر مستعد ہو جاتی ہے اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اسکا ذکر ملتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف کا ذکر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو ہی لے لیجئے۔ آپ کا جہاں بھی ذکر آتا ہے وہاں قرآن مجید کسی نہ کسی خوبی اور وصف کو ضرور بیان کر دیتا ہے۔ سورۃ بقرہ اور دیگر ابتدائی سورتوں میں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت خداوندی، جذبہ قربانی، توحید کے لئے غیرت وغیرہ امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوبیوں کا تفصیلی بیان ہے لیکن جہاں اس قدر مفصل ذکر نہیں وہاں بھی حضرت ابراہیم کی ایک یا دو خوبیوں کا نہایت محبت سے ذکر ملتا ہے۔
سورۃ ھود میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے ذکر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوْطٍ (سورہ ھود آیت: ۷۵)

کہ (ابراہیم) لوط کی قوم کے متعلق ہمارے ساتھ جھگڑنے لگا۔ یہاں يُجَادِلُنَا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قوم لوط کے لئے شدید جذبہ رحمت و محبت کا اظہار ہے۔ جب حضرت ابراہیم کو یہ خبر ملی کہ آنے والی صبح تک حضرت لوط کی قوم ملیامیٹ کر دی جائے گی تو حضرت ابراہیم اس قوم کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے خدا کے حضور گر گئے۔ اس اسوہ ابراہیمی کے بارہ میں (تفسیر صغیر ۵۱۰-۵۱۳) سورۃ العنکبوت آیت ۳۱ کے حاشیہ میں حضرت مصلح موعود...... فرماتے ہیں:۔

"ابراہیم علیہ السلام کے لئے قرآن کریم میں خاص طور پر ذکر ہے کہ وہ بڑے نرم دل تھے۔ جب انہوں نے یہ سنا کہ بستی کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے تو غم سے ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس خیال سے بھی کہ اس بستی میں تو لوط بھی ہے۔ اس خیال سے بھی کہ اس بستی میں اور بہت سے لوگ بھی ہیں چنانچہ بائبل میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا! کیا تو نیکوں کی موجودگی میں بروں کو ہلاک کر دے گا اور فرمایا کہ اگر اس میں پچاس نیک ہوں اور باقی برے ہوں تو کیا ان پچاس کی خاطر تو ان باقیوں کو نہیں بچائے گا اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا کہ اے ابراہیم! اگر ان میں اتنے نیک ہوئے تو میں ان کی خاطر باقیوں کو بھی بچا لوں گا۔ آخر گرتے گرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر دس نیک ہوں۔ تو کیا دس کی خاطر دوسروں کو نہیں بچائے گا؟ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر ایک بات کو مانتا گیا۔ آخر ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ دس نیک بھی اس بستی میں موجود نہیں اور خاموش ہو گئے۔"
(پیدائش باب ۱۸)

لیکن زمین و آسمان کے خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا پر کیا اعلان فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (سورۃ ہود آیت ۷۶)

کہ ابراہیم بہت ہی بردبار۔ درد مند دل رکھنے والا اور خدا کے حضور بار بار جھکنے والا تھا۔

جب ہم سورۃ ھود کے اس حصہ پر آتے ہیں تو خدائے ذوالعرش کا یہ فرمان سنتے ہی ہمارے دل میں بھی یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی انسانوں کے لئے ویسا ہی درد رکھنے والے بن جائیں۔ ہم بھی خدا کے حضور افراد اور قوموں کے بچانے کے لئے اسی درد سے رحم کی اپیل کرنے والے بن جائیں اور پھر ایسا ہو کہ ہمارا رب بھی ہمارے متعلق یہی فرمائے کہ "اِنَّهٗ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ" سورۃ ابراہیم میں حضرت ابراہیم کی ایک اور دعا بیان کی گئی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
(ابراہیم آیت ۳۷)

اے میرے رب ان بتوں نے تیرے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ لیکن جو لوگ میری اتباع کریں یعنی بتوں کی پرستش کی بجائے تیری پرستش کریں۔ اے خدا ایسے لوگ تو مجھ میں ہوئے اور میں

یقین رکھتا ہوں میں جو تیرا پرستار ہوں۔ میرے متبعین بھی ہلاک نہ ہوں گے۔ اب رہ گئے وہ لوگ جو میری اتباع نہیں کرتے تو اے خدا وہ تو تیرے بندے ہیں اور تو تو بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کس خوبی سے اور کس جذبہ محبت سے ساری قوم کو بچانے کی دعا کر گئے۔ قوم کے دو حصے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کر کے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کو ھلاک کردے۔

قوم کا دوسرا حصہ وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع نہیں کر رہا۔ شرعی لحاظ سے وہ خدائی عذاب اور خدائی غضب کے نیچے ہے اور کسی وقت بھی تباہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مغضوب حصہ قوم کے لئے بھی رحم اور بخشش کی اپیل کر جاتے ہیں۔ جس کے لئے وہ خدا کی صفات غفور اور رحیم کو ڈھال بنا لیتے ہیں۔ اس دعا میں خدا کی مخلوق کیلئے کیسی محبت ہے اور ساتھ ہی خدا کے رحم پر کتنا یقین ہے۔ جب ایک انسان سیدنا (ابوالانبیاء) حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی نسل انسانی سے محبت اور رحم کا جذبہ ایسا موجزن دیکھتا ہے تو اس کے دل میں بھی ناگہاں یہی جذبہ شدت سے پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ بھی خدا کی مخلوق کیلئے دردمند دل رکھنے والا اور دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔

پھر سورۃ نحل میں ان انعامات کا ذکر ہے جو خدا نے اپنے وفادار بندہ ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (سورۃ نحل آیت ۱۲۱)

کہ سنو! ابراہیم ہر خیر کا جامع اللہ کے لئے تذلل اختیار کرنے والا اس کا انتہائی فرمانبردار بندہ تھا جو مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اس حصہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو خوبیاں اور اوصاف گنائے گئے ہیں۔ کیا یہ کچھ کم ہیں؟ لیکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (سورۃ نحل آیت: ۱۲۲ - ۱۲۳)

کہ ابراہیم کا کیا پوچھتے ہو۔ وہ تو خدائی انعامات کا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔ تمہیں معلوم ہے ہم نے

اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہم نے اسے خاص طور پر چن لیا۔ ہر معاملہ میں اس کی راہنمائی کی دنیا میں ہر طرح کے انعامات کئے اور اگلے جہان میں وہ بہترین بندوں میں شمار ہوگا۔

دیگر انبیاء کے اوصاف کا ذکر

ایک مومن جب یہ آیات تلاوت کرتا ہے تو اس کے دل میں میٹھی سی ٹیس اٹھتی ہے کہ کاش وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل کرنے والا بن جائے۔ خدا کا فرمانبردار بن جائے اور خدا کی ان گنت نعمتوں کا شکر کرنے والا بن جائے۔ اس طرح ایک جذبہ اس کی روح کی گہرائی سے ایک چشمہ کی طرح ابلنے لگتا ہے جو ہزاروں زبانی نصائح سے زیادہ قوی اور شدت رکھتا ہے۔ یہ جذبہ تو اس کی روح پر قبضہ کرلیتا ہے۔ تب اس کی روح، سوتے جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے ہر لحہ خدائے ذوالعرش کے آستانہ پر سجدہ ریز رہتی ہے اور کمال تذلل اختیار کرتی ہے۔ اور اس کی نعمتوں کی شکرگزار رہتی ہے۔

قرآن مجید کا یہ طرز بیان صرف حضرت ابراھیم علیہ السلام سے ہی خاص نہیں۔ بلکہ تمام انبیاء سے اس کا ایسا ہی رنگ ہے۔ وہ مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر انبیاء کی خوبیوں کو اجاگر کرتا رہتا ہے۔ حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت شعیب، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت ھارون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان کے حالات بیان کرتے وقت ان کی خاص خوبیوں کو ضرور اجاگر کرتا جاتا ہے۔ انبیاء تو اس کے خاص الخاص بندے ہیں لیکن وہ غیر انبیاء مردوں اور عورتوں کے اوصاف بھی گناتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت لقمان، حضرت ام موسیٰ، حضرت مریم کے حالات کے ساتھ ان کی خاص خوبیاں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ

اب سوال یہ ہے کہ جب جملہ انبیاء مقربین باری عزاسمہ کے ساتھ قرآن مجید کا یہ سلوک ہے تو سیدِ وُلدِ آدم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا قرآن مجید میں کس انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تو رنگ ہی اور ہے۔ جس کی حقیقت کا صحیح ادراک کرنا انسان کے لئے

ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن مجید آنحضرت ﷺ کے ظاہری اوصاف کا اتنا ذکر نہیں کرتا۔ جتنا آنحضور ﷺ کی قلبی کیفیت کو پیش فرماتا ہے۔ مثلاً وہ فرماتا ہے۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (شعراء آیت ۴)

کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مقصد کے لئے کہ یہ لوگ خدا پر ایمان لے آئیں کیا تو اپنے آپ کو اس طرح ہلاک کر دے گا کہ یہ حقیقی مومن کیوں نہیں بنتے۔

یہاں قرآن مجید آنحضرت ﷺ کی اپنی قوم یا پوری دنیا کے لئے کسی خاص دعا کا ذکر نہیں فرماتا۔ بلکہ اس آگ کا ذکر فرماتا ہے جو آنحضور ﷺ کے قلب صافی میں نسل انسانی کی بہتری اور نجات کے لئے سلگتی رہتی تھی۔ نسل انسانی کی بہتری کے لئے آنحضرت ﷺ ایک کربِ مجسّم بن چکے تھے۔ جن پر رات اور دن اضطراری کیفیت طاری رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا۔

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا

(کہف آیت: ۷)

کہ شاید تو ان لوگوں کے غم میں اپنے آپ کو ھلاک کر دے گا کہ کیوں وہ لوگ قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے۔

یہ تو دشمنوں کے متعلق حضور ﷺ کے جذبات ہیں۔ لیکن عام نسل انسانی اور مومنوں کیلئے حضور ﷺ کی قلبی کیفیت یہ ہے۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ O (سورۃ توبہ آیت: ۱۲۸)

کہ اے لوگوں تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول مبعوث ہو کر نازل ہوا ہے کہ ہر وہ تکلیف جو تمہیں پہنچتی ہے وہ اس پر سخت گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہارے لئے ہر بھلائی کا سخت خواہشمند ہے۔ اور مومنوں کیلئے تو وہ رؤف اور رحیم ہے۔

رؤف اور رحیم خدائی صفات ہیں جو قرآن مجید آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ جب انسان قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت کرتا ہے تو ناگہاں اس کے دل میں بھی آنحضرت ﷺ کے جذبات سے ملتے جلتے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ بھی چھوٹے سے دائرہ میں اپنے دل میں خدا کی مخلوق سے بے غرضانہ محبت کا جذبہ ابھرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

جہاں تک حضور ﷺ کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے تو اس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ انعام آیت: ۱۶۳)

تو ان سے کہدے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

گویا آنحضور ﷺ کا لحہ لحہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، عشق اور عبادت میں گزرتا تھا۔ یہ شان کسی اور نبی کی قرآن مجید بیان نہیں کرتا۔

جب ایک مومن رات کی تنہائی میں مندرجہ بالا آیت تلاوت کرتا ہے تو ناممکن ہے کہ اس کے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہو کہ اس کی زندگی بھی ایسی ہی کامل فرمانبرداری میں گذر جائے اس کا ہر سانس خدا کی عبادت اور عشق میں گذر جائے۔ وہ بھی فنا، لقا اور بقا کی وادیوں میں سفر کرے۔ اب یہ جذبہ جو اس آیت کی تلاوت سے ایک مومن میں پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ ہزاروں نصائح سے پیدا ہو سکتا ہے۔؟ یہی وہ اعجاز اثر کلام مجید ہے جو انسانی قلب کی کلیا پلٹ دیتا ہے۔ اور یہ اعجاز دنیا کی اور کسی کتاب میں نہیں۔

پھر قرآن مجید سورۃ احزاب میں فرماتا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (سورۃ احزاب آیت: ۷۳)

ہم نے اپنی امانت یعنی صفات الہیہ کا کامل ظہور بننے کی امانت کو پیش کیا کہ وہ اسے اٹھالیں۔ لیکن نہ زمین، نہ آسمان، نہ ستارے نہ سیارے، نہ سورج نہ چاند اور نہ پہاڑ اسے اٹھانے کی جرات کر سکے۔ لیکن انسان کامل یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسے اٹھالیا۔ کیونکہ وہ ظلوم اور **جھول** تھا۔ یہی ظلوم اور **جھول** کی صفات جو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کمال محبت کا اظہار ہے۔ ان دو الفاظ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی تمام خواہشات کو، امیدوں کو اور تمناؤں کو خدا کی رضا کے متوازی کر دیا ہے۔ اور وہ ہر طرح کے عواقب سے بے پرواہ ہو کر خدا کی رضا کی خاطر ہر وہ قربانی کر رہا ہے جو انسانی ذہن سوچ سکتا ہے۔ اس کی ساری زندگی کا مقصد وحید یہی ہے کہ کسی طرح خدا کا جلال چمکے اور مخلوق خداوندی خدا کی طرف لوٹ جائے۔ اور اس عالم اور اگلے عالم کے سکھ پائے۔ اس کی دعاؤں کا دائرہ اپنی ہی قوم کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ ساری اقوام عالم ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام مخلوق ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ بقول حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

"برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے"

جب رات کی تاریکی میں ایک مومن ان آیات کی ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ کر تلاوت کرتا ہے تو لاشعوری طور پر اس کے دل میں بھی رسول اکرم ﷺ کی طرح کی خواہشات جنم لینے لگتی ہیں۔ چاہے وہ اپنی کمیت اور کیفیت میں کتنے چھوٹے لیول کی کیوں نہ ہوں۔ اور اس کا دل بھی مچلنے لگتا ہے کہ وہ بھی اپنے اندر رسول اکرم ﷺ کے صفات کا عکس پیدا کرے۔ اور یہی اعجازی اثر قرآن مجید کا ہے جو اس وقت دنیا کی اور کسی الہامی کتاب میں نہیں۔

قرآن مجید کی اطاعت کے اثرات

اب جو لوگ قرآن مجید کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں عاشقانہ سرگرمیاں دکھلاتے ہیں اور قیامت تک دکھلاتے رہیں گے۔ یہ واضح بات ہے کہ ان کے اوصاف تو قرآن مجید میں بیان نہیں ہو سکتے۔ تاہم ان کے دل میں یہ خیال کبھی کبھی ضرور پیدا ہوتا ہوگا کہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح کی محبت کا سلوک فرمائے۔ سو ان کی خواہش کے جواب میں قرآن مجید ہمیں یہ مژدہ سناتا ہے کہ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (سورۃ انبیاء:۹۵)

جو بھی اعلیٰ درجہ کی نیکیاں بجالائے گا اس حالت میں کہ وہ ہم پر ایمان رکھتا ہوگا۔ اسے یاد رہے کہ اس کی کوششوں کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی بلکہ اس کے خوبصورت اعمال ہم خود لکھیں گے۔ اور قیامت کے دن سب کے سامنے بہترین جزا دیں گے۔

(باقی آئندہ)

زندہ کتاب قرآن ہے

چودہ سو سالہ پرانی کتاب "قرآن مجید" کا عملی زندگی میں ہمارے مسائل کا حل پیش کرنا نہ صرف آپ کی کتب "روحانی خزائن" سے واضح ہے بلکہ آپ نے ہر مشکل موقعہ پر اس پر عمل کر کے ہمارے لئے راہِ عمل آسان بنا دیا ہے۔ پھر آپ کے خلفاء کرام نے بھی اپنی زندگیاں قرآن کی خدمت میں لگا دیں اور احمدیوں کو زندہ اور فعال قوم بنانے کیلئے یہ نسخہ دیا کہ "قرآن کریم پڑھنے کے بعد سوچنے کی عادت ڈالو اور سوچنے کے بعد اس پر عمل کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم ایک زندہ اور فعال قوم نظر آنے لگ جاؤ گے۔ اور دنیا تمہیں دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔" (تفسیر کبیر)

(مرسلہ: نظارت اصلاح و ارشاد تعلیم القرآن)

تیرے لئے جذبات مرے دل میں حسیں ہیں

ٹھکرائے ہوئے لوگ ہیں ہم خاک نشیں ہیں
راضی برضا رہتے ہیں جنّت کے مکیں ہیں

لب بند ہیں چہروں پہ تبسّم کی جھلک ہے
ہم خوش ہیں کہ اخلاقِ محمدؐ کے امیں ہیں

کیا راز تھا جو فاش کیا مُرغِ سحر نے
کیا بات ہے جو اہلِ چمن آج حزیں ہیں

اے شیخ ترا وعظ ہے تاثیر سے خالی
باتیں جو ترے لب پہ ہیں وہ دل میں نہیں ہیں

افسانوں سے مانوس ہیں اب اہلِ خرد بھی
اظہارِ حقیقت پہ سبھی چیں بہ جبیں ہیں

اے دوست مری تلخ نوائی پہ نہ جانا
تیرے لئے جذبات مرے دل میں حسیں ہیں

سب کے لئے شبّیر کے دل میں ہے محبّت
اغیار بھی اپنوں کی طرح دل کے قریں ہیں

چوہدری شبّیر احمد

سیرت طیبہ

ایمان افروز اور روح پرور روایات

حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ ... اور اکرام ضیف

مرتبہ : محترم سمیع اللہ صاحب زاہد

حضرت اقدس مسیح موعود ..... کو وحی الٰہی کے ذریعہ ماموریت سے بھی قبل یہ خبر دی گئی تھی کہ لوگ کثرت سے تیرے پاس آئیں گے۔ اور بہت دُور دراز علاقوں سے لمبے سفر کر کے تیرے پاس پہنچیں گے۔ اور آپ کو مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے لئے پہلے ہی سے وسعت قلبی اور دل کی کشادگی عطا فرما رکھی تھی۔ آپ کی سیرت کے اس پہلو کے متعلق بعض روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

○

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ..... فرماتے ہیں :۔

"ایک ..... موقعہ پر جبکہ حضرت مسیح موعود ..... اپنے کمرے میں تشریف رکھتے تھے اور اس وقت باہر سے آئے ہوئے کچھ مہمان بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ اس پر حاضر الوقت لوگوں میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا۔ حضرت مسیح موعود ..... نے اُن صاحب کو اُٹھتے دیکھا تو جلدی سے اُٹھے اور فرمایا :۔

"ٹھہریے ٹھہریے میں دروازہ کھولوں گا۔ آپ مہمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے۔" (سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ ۱۱)

○

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب ..... فرماتے ہیں :۔

"۱۳۔ فروری ۱۹۰۳ء کو ایک ڈاکٹر صاحب لکھنؤ سے تشریف لائے۔ بقول ان کے وہ بغدادی الاصل تھے اور عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم تھے ..... انہوں نے حضرت مسیح موعود ..... سے کچھ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بیان میں شوخی، استہزاء اور بے باکی تھی ..... اس کا طریق بیان بہت کچھ دُکھ دہ

تھا۔ ایسا تکلیف دہ تھا کہ ہم اسے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ مگر حضرت کے علم کی وجہ سے خاموش تھے لیکن حضرت صاحبزادہ مولانا عبد اللطیف صاحب شہید..... ضبط نہ کر سکے اور وہ اس کی طرف لپک کر بولے کہ یہ حضرت اقدس کا ہی حوصلہ ہے..... اور قریب تھا کہ دونوں صاحب باہم گتھ جاویں حضرت مسیح موعود ..... نے اپنے مخلص اور جانثار دغیور فدائی کو روک دیا..... جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت نے اپنی جماعت موجودہ کو خطاب کر کے فرمایا:-

"میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سبّ وشتم تک بھی نوبت پہنچ جاوے تو اس کو گوارا کرنا چاہیئے ..... یہ بھی ہم ان کا احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کریں۔"

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زیارت کرنے والے کا تیرے پر حق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مہمان کو ذرا سا بھی رنج ہو تو وہ معصیت میں داخل ہے۔" (سیرت مسیح موعود .... صفحہ ۵۲-۲۵۱)

○

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ..... فرماتے ہیں:-

"سیٹھی غلام نبی صاحب جو رہنے والے تو چکوال کے تھے مگر راولپنڈی میں دکان کیا کرتے تھے انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت مسیح موعود ..... کی ملاقات کے لئے قادیان آیا۔ سردی کا موسم تھا اور کچھ بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں شام کے وقت قادیان پہنچا تھا۔ رات کو جب میں کھانا کھا کر لیٹ گیا اور کافی رات گزر گئی اور قریباً بارہ بجے کا وقت ہو گیا تو کسی نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت مسیح موعود..... کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ میں گرم دودھ کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ میں حضور کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا۔ کہیں سے دودھ آ گیا تھا میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں آپ کو شاید دودھ کی عادت ہوگی۔ اس لئے یہ دودھ آپ کے لئے لے آیا ہوں۔

سیٹھی صاحب کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے کہ سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ خدا کا برگزیدہ مسیح اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذت پاتا اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے۔" (سیرت طیبہ صفحہ ۶۹)

○

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ..... فرماتے ہیں کہ

"میں گورداسپور سے ایک خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرمی کا موسم تھا اور میں سخت دھوپ میں آیا۔ رات کو بھی میں سو نہ سکا تھا۔ حضرت مسیح موعود ..... نیچے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ میں جب پہنچا تو آپ خط لے کر میرے لئے شربت لینے تشریف لے گئے۔ گرمی اور کوفت کی وجہ سے میں اُونگھ گیا اور وہیں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں حضرت کے ہاتھ میں پنکھا ہے۔ میں اٹھ بیٹھا اور بہت ہی شرمندہ ہوا۔ فرمایا تھکے ہوئے تھے سو جاؤ اچھا ہے۔ میں نے عذر کیا۔ پھر آپ نے وہ شربت دیا۔ اور میں پی کر گھر چلا آیا۔"

(سیرت مسیح موعود از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ص ۴۳۸)

○

حضرت میر حامد علی شاہ صاحب سیالکوٹی اپنے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:۔

"ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے حضور ..... کی خدمت میں قادیان میں کچھ عرصہ قیام کے بعد رخصت حاصل کرنے کے واسطے عرض کیا۔ حضور اندر تشریف رکھتے تھے اور چونکہ حضور کی رأفت و رحمت بے پایاں نے خادموں کو اندر پیغام بھجوانے کا موقع دے رکھا تھا۔ اس واسطے اس عاجز نے اجازت طلبی کے واسطے پیغام بھجوایا۔ حضور نے فرمایا کہ

"وہ ٹھہریں ہم ابھی باہر آتے ہیں۔"

یہ سن کر میں ..... کھڑا ہو گیا اور باقی احباب بھی یہ سن کر کہ حضور باہر تشریف لاتے ہیں پروانوں کی طرح اِدھر اُدھر سے اس شمع انوارِ الٰہی پر جمع ہونے کیلئے آگئے..... اور احباب کی جماعت اکٹھی ہو گئی..... حضور اندر سے برآمد ہوئے۔ خلاف معمول کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے ہاتھ میں دودھ کا بھرا ہوا (برتن) ہے اور گلاس شاید حضرت میاں صاحب کے ہاتھ میں ہے اور مصری رومال میں ہے۔ حضور گول کمرہ کی مشرقی گلی سے برآمد ہوتے ہی فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کہاں ہیں۔ میں سامنے حاضر تھا۔ فی الفور آگے بڑھا اور عرض کیا حضور حاضر ہوں۔ حضور کھڑے ہو گئے اور مجھ کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں اسی وقت زمین پر بیٹھ گیا۔ گلاس میں دودھ ڈالا گیا اور مصری ملائی گئی........ (حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی فرماتے ہیں کہ میری آنکھ اب تک اس مؤثر نظارے کو دیکھتی ہے گویا وہ بڑا گلاس حضرت کے ہاتھ سے میر صاحب کو دیا جا رہا ہے)..... میں نے جب وہ گلاس پی لیا تو پھر دوسرا گلاس پُر کر کے عنایت فرمایا گیا۔ میں نے وہ بھی پی لیا۔ گلاس بڑا تھا۔ میرا پیٹ بھر گیا۔ پھر اسی طرح تیسرا گلاس بھرا گیا۔ میں نے بہت شرمگیں ہو کر عرض کیا کہ حضور اب تو پیٹ بھر گیا ہے۔ فرمایا ایک اور پی لو۔ میں نے وہ تیسرا گلاس بھی پی لیا۔ پھر حضور نے اپنی جیب خاص سے چھوٹے چھوٹے بسکٹیں نکالیں اور

اور فرمایا کہ جیب میں ڈال لو۔ راستہ میں اگر بھوک لگی تو یہ کھانا۔ میں نے وہ جیب میں ڈال لیں۔ حضرت محمود (برتن) اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے اور حضور نے فرمایا کہ چلو آپ کو چھوڑ آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میں سوار ہو جاتا ہوں اور چلا جاؤں گا۔ حضور تکلیف نہ فرمائیں مگر اللہ رے کرم و رحم کہ حضور مجھ کو ساتھ لے کر روانہ ہو پڑے۔

باقی احباب جو موجود تھے ساتھ ہو لئے اور یہ پاک مجمع اسی طرح اپنے آقا مسیح موعود کی محبت میں اس عاجز کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضور حسب عادت مختلف تقاریر فرماتے ہوئے آگے آگے چلتے رہے یہاں تک کہ بہت دور نکل گئے۔ تقریر فرماتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا و مولانا مولوی نور الدین صاحب.... نے قریب آکر مجھے کان میں فرمایا کہ آگے ہو کر عرض کرو اور رخصت لو جب تک تم اجازت نہ مانگو گے حضور آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

میں حسب ارشاد والا آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حضور اب سوار ہوتا ہوں حضور تشریف لے جائیں۔ اللہ اللہ کس لطف سے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ

"اچھا ہمارے سامنے سوار ہو جاؤ"

میں یکہ پر بیٹھ گیا اور سلام عرض کیا تو پھر حضور واپس ہوئے۔" (سیرت حضرت مسیح موعود.... صـ ۱۳۶-۱۳۸)

O

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ...... بیان فرماتے ہیں:۔

ایک دفعہ ایک مہمان نے آکر کہا کہ میرے پاس بستر انہیں ہے۔ حضرت صاحب نے حافظ حامد علی صاحب کو کہا کہ اس کو لحاف دے دو۔ حافظ حامد علی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شخص لحاف لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے فرمایا

"اگر یہ لحاف لے جائے گا تو اسی کا گناہ ہو گا اور اگر بغیر لحاف کے سردی سے مر گیا تو ہمارا گناہ ہو گا۔"

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ وہ مہمان بظاہر کوئی ایسا آدمی معلوم نہ ہوتا تھا جو کسی دینی غرض سے آیا ہو بلکہ شکل و صورت سے مشتبہ پایا جاتا تھا مگر آپ نے اسکی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں کیا۔" (سیرت حضرت مسیح موعود.... صـ ۱۳۰)

(باقی آئندہ)

ضروری تصحیح: ماہنامہ انصار اللہ کے شمارہ نومبر: (۱) صـ ۹ پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے شعر.... میں مشہور کی بجائے "مشہود" ہے۔ اسے یوں پڑھا جائے۔ ع چشمۂ خورشید میں موجیں تیری مشہود ہیں۔ (۲) صـ ۱۳ پر مصرعہ طریقِ عشق و مستی..... الخ نگاہِ عشق و مستی ہے۔ (۳) نظم "پروانۂ احمدیت" کے شعر ۴ کے پہلے مصرعہ میں ردد کی بجائے رَد اور شعر ۵ کے پہلے مصرعہ کو ع دلائل "کی" لئے تیغیں.... پڑھا جائے۔ قارئین درست فرمالیں (ادارہ)

اور فرمایا کہ جیب میں ڈال لو۔ راستہ میں اگر بھوک لگی تو یہ کھانا۔ میں نے وہ جیب میں ڈال لیں۔ حضرت محمود (برتن) اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے اور حضور نے فرمایا کہ چلو آپ کو چھوڑ آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میں سوار ہو جاتا ہوں اور چلا جاؤں گا۔ حضور تکلیف نہ فرمائیں مگر اللہ رے کرم و رحم کہ حضور مجھ کو ساتھ لے کر روانہ ہو پڑے۔

باقی احباب جو موجود تھے ساتھ ہو لئے اور یہ پاک مجمع اسی طرح اپنے آقا مسیح موعود کی محبت میں اس عاجز کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضور حسب عادت مختلف تقاریر فرماتے ہوئے آگے آگے چلتے رہے یہاں تک کہ بہت دور نکل گئے۔ تقریر فرماتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا و مولانا مولوی نور الدین صاحب.... نے قریب آکر مجھے کان میں فرمایا کہ آگے ہو کر عرض کرو اور رخصت لو جب تک تم اجازت نہ مانگو گے حضور آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

میں حسب ارشاد والا آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حضور اب سوار ہوتا ہوں حضور تشریف لے جائیں۔ اللہ اللہ کس لطف سے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ

"اچھا ہمارے سامنے سوار ہو جاؤ"

میں یکہ پر بیٹھ گیا اور سلام عرض کیا تو پھر حضور واپس ہوئے۔" (سیرت حضرت مسیح موعود.... صـ ۱۳۶-۱۳۸)

○

حضرت مفتی محمد صادق صاحب...... بیان فرماتے ہیں:۔

ایک دفعہ ایک مہمان نے آکر کہا کہ میرے پاس بستر انہیں ہے۔ حضرت صاحب نے حافظ حامد علی صاحب کو کہا کہ اس کو لحاف دے دو۔ حافظ حامد علی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شخص لحاف لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے فرمایا

"اگر یہ لحاف لے جائے گا تو اسی کا گناہ ہوگا اور اگر بغیر لحاف کے سردی سے مر گیا تو ہمارا گناہ ہوگا۔"

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ وہ مہمان بظاہر کوئی ایسا آدمی معلوم نہ ہوتا تھا جو کسی دینی غرض سے آیا ہو بلکہ شکل و صورت سے مشتبہ پایا جاتا تھا مگر آپ نے اسکی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں کیا۔" (سیرت حضرت مسیح موعود.... صـ ۱۳۰) (باقی آئندہ)

ضروری تصحیح: ماہنامہ انصار اللہ کے شمارہ نومبر: (۱) صـ ۹ پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے شعر.... میں مشہور کی بجائے "مشہود" ہے۔ اسے یوں پڑھا جائے۔ ع چشمۂ خورشید میں موجیں تیری مشہود ہیں۔ (۲) صـ ۱۳ پر مصرعہ طریق عشق و مستی..... الخ نگاہِ عشق و مستی ہے۔ (۳) نظم "پروانۂ احمدیت" کے شعر ۴ کے پہلے مصرعہ میں رود کی بجائے رَد اور شعر ۵ کے پہلے مصرعہ کو ع دلائل "کی" لئے تیغیں.... پڑھا جائے۔ قارئین درست فرمالیں (ادارہ)

نتیجہ امتحان انصاراللہ ۔ سہ ماہی دوم ۱۹۹۵ء

خداتعالیٰ کے فضل سے مجلس انصاراللہ کے مرکزی امتحان سہ ماہی دوم ۱۹۹۵ء میں کُل ۲۵۱ مجالس کے ۲۶۳۰ انصار نے شرکت کی توفیق پائی۔ جن میں سے مندرجہ ذیل انصار نے نمایاں پوزیشن اور خصوصی گریڈ حاصل کیا۔

نمایاں پوزیشن: ۱۔ مکرم محمود مجیب اصغر صاحب۔ مظفر گڑھ (اول) ۲۔ مکرم قریشی فصیح الدین احمد صاحب۔ نارتھ کراچی (دوم)
۳۔ مکرم عزیز احمد طاہر صاحب۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ (سوم)

خصوصی گریڈ حاصل کرنے والے انصار: مکرم بشارت احمد صاحب۔ مکرم ملک محمد اعظم صاحب۔ مکرم احمد جان صاحب۔ مکرم ڈاکٹر چوہدری محمد شفیع صاحب۔ مکرم عبدالباسط خان صاحب۔ مکرم مبارک احمد نجیب صاحب۔ مکرم رشید احمد ارشد صاحب۔ مکرم سمیع اللہ زاہد صاحب۔ مکرم ملک اللہ بخش صاحب۔ مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب۔ مکرم صوبیدار (ر) عبدالحمید صاحب (ربوہ) مکرم محبوب احمد صاحب (جھنگ) مکرم ایم اے لطیف شاہد صاحب۔ مکرم ڈاکٹر ملک مقبول احمد صاحب۔ مکرم جلیل احمد شاہد صاحب۔ مکرم محمد منظور احمد خان صاحب ایاز۔ (اسلام آباد) مکرم محمد عبداللہ ریحان صاحب۔ مکرم رفیق احمد خان صاحب۔ مکرم ملک محمد اکرم صاحب۔ (راولپنڈی) مکرم محمد ابراہیم شاد صاحب (خانیوال) مکرم چوہدری حمید احمد صاحب۔ مکرم شریف احمد صاحب۔ (سیالکوٹ) مکرم محمد اسلم شاد صاحب۔ مکرم چوہدری حمید احمد صاحب۔ مکرم خلیل احمد کاہلوں صاحب۔ (لاہور) مکرم خواجہ محمد انور صاحب۔ (آزاد کشمیر) مکرم ملک محمد مبارک احمد صاحب (سرگودھا) مکرم محمد خلیل قریشی (حافظ آباد) مکرم نذیر احمد جنجوعہ (گوجرانوالہ) مکرم چوہدری غلام احمد صاحب (اوکاڑہ) مکرم شیخ مبشر احمد صاحب خورشید (ٹیکسلا) مکرم شیخ محمود احمد ظفر صاحب کپور تھلوی (سمہ سٹہ)۔ مکرم نثار احمد صاحب (جہانیاں) مکرم عبدالمالک صاحب (گجرات) مکرم محمد سرور ابڑو صاحب (لاڑکانہ) مکرم کیپٹن (ر) ملک محمد اقبال صاحب (چکوال) مکرم خالد مسعود خان صاحب (لاہور) مکرم نعیم احمد طارق صاحب (کوٹ ادو) مکرم عبدالباری قیوم صاحب۔ مکرم کرامت حسین صاحب مختار۔ مکرم چوہدری اعجاز احمد صاحب۔ مکرم یعقوب احمد بٹ صاحب۔ مکرم عبدالرشید صاحب سماٹری۔ مکرم سید محمد میاں سلیم صاحب (کراچی) مکرم ملک عبدالعزیز صاحب (چکوال) مکرم مرزا شریف الدین اشرف صاحب۔ مکرم چوہدری محمد یوسف۔ مکرم محمد انور شاد صاحب مکرم مرزا محمد یعقوب صاحب۔ مکرم میاں غلام احمد صاحب پنشنر (فیصل آباد)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء امتحان کو علم و فضل میں ترقی دے اور اپنی رضا کی راہوں پر ہمیشہ آگے بڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(قائد تعلیم مجلس انصاراللہ پاکستان۔ ربوہ)

قبول احمدیت کی داستان

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب کا قبول حق

قیام پاکستان کے فورا بعد اضلاع سرگودھا و جھنگ کا سنگم مذہبی فکر رکھنے والا خطہ حق پرستوں کی آماجگاہ بنا۔ سعید فطرت روحیں پہلے سے حق کی تلاش میں تھیں چنانچہ انوار و برکات کو اپنے دامن میں پاکر کشاں کشاں سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونا شروع ہوئیں اور اس طرح ہزار ہا تشنہ روحیں یقین و معرفت سے سیراب ہوئیں۔ انہی میں سے ایک فاضل اجل جوانمرد حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب منگلا (مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ) کا وجود تھا جو بلا شبہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا..... کا مصداق تھا۔

منگلا صاحب موصوف دسمبر ۱۹۲۲ء کو چک ۱۷۱ - ۱۶۸ شمالی رسول پور منگلا المعروف چک منگلا نزد سوبھاگہ ریلوے اسٹیشن ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد رائے غلام محمد صاحب اور ان کے آباء و اجداد متدین لوگ تھے۔ اس علاقہ کے لوگ سیال شریف کی گدی سے قطع تعلق کرکے ایک مشہور پیر منورالدین صاحب کے شاگرد اور مرید بنتے گئے جو توحید و سنت کی پیروی میں بڑے متشدد تھے۔ پیر صاحب موصوف خود احمدیت کے قریب آ رہے تھے اور ساتھ ہی ان کے مریدوں کے ذہن قبول احمدیت کے لئے تیار ہو رہے تھے اور منگلا صاحب اگرچہ احمدی نہ ہوئے تھے مگر قرآن و حدیث کے مطابق صحیح عقائد کا برملا نہ صرف اعتراف کر رہے تھے بلکہ مخالفین حق کو شکست فاش دے رہے تھے۔

آپ بہترین علمی صلاحیت رکھنے والے متقی عالم و فاضل تھے۔ فاروکہ خالصہ ہائی سکول میں مڈل تک تعلیم پانے کے بعد آپ نے پیر صاحب کے دینی مدرسہ میں علم تفسیر' حدیث' فقہ' نحو' منطق و فلسفہ اور تصوف کی بلند پایہ کتب درساً سبقاً پڑھ کر علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔ حافظہ اتنا غضب کا تھا کہ سوا تین ماہ میں قرآن کریم بھی حفظ کر لیا۔ پیر صاحب کا اتنا قرب پایا کہ ان کے معاون خاص اور خلیفہ بن گئے اور پھر آپ ۱۹۵۴ء کے جلسہ سالانہ پر باقاعدہ بیعت کرکے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور تادم آخر مربی سلسلہ احمدیہ کے طور پر خدمت دین میں مصروف رہے۔ یہاں آپ کی قبول حق کی داستان آپ ہی کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔ (ایڈیٹر)

احمدیت کی آواز

پیر صاحب موصوف (پیر منور الدین صاحب۔ ناقل) ابھی ہمارے چک میں تشریف نہ لائے تھے۔ کسی زمانہ میں انہوں نے اپنے وطن بھوچھال کلاں کی جامعہ مسجد میں احمدیت کے خلاف تقریر کی۔ وہاں ایک احمدی بزرگ بابا رعایت اللہ صاحب بوچھالوی جو پیر صاحب کے رشتہ داروں میں سے وہاں موجود تھے۔ پیر صاحب نے کسی اشتہار کی تحریر پر اعتبار کرتے ہوئے دوران تقریر فرمایا کہ فلاں کتاب میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں آیت کے معنے نہیں سمجھے اور میں نے سمجھے ہیں۔ یہ کتنی آنحضرت ﷺ کی ہتک ہے۔

بابا رعایت اللہ احمدی نے اٹھ کر کہا کہ مولوی صاحب اگر یہ حوالہ ایسا ہی ہے تو میں احمدیت چھوڑ دوں گا اور اگر غلط ہوا تو پھر؟ پیر صاحب نے فرمایا تو آئندہ میں مرزا صاحب کے خلاف کبھی نہیں بولوں گا۔ چنانچہ عام مجلس میں یہ کتاب لائی گئی اور یہ حوالہ اس کتاب سے۔۔۔ نہ نکلا۔ پیر صاحب فرماتے تھے کہ مجھے اتنی شرم آئی جس کی حد نہیں اور میں نے عہد کر لیا کہ آئندہ عام مولویوں کے اشتہارات اور کتابوں پر جو احمدیت کے خلاف لکھی گئی ہیں کبھی اعتبار نہ کروں گا۔ اسی دن پیر صاحب کے دل میں حضرت مسیح موعود کی کچھ عزت بیٹھ گئی۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ ایک دفعہ پیر صاحب کو یہاں منگلا سے لاہور جانا ہوا وہاں آپ نے لاہور کے مشہور مدارس اور علماء دیکھنے کا پروگرام بنایا۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری سے ملاقات

آپ اس سفر میں مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے پاس احمدیہ بلڈنگز تشریف لے گئے۔ وہاں ان سے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے متعلق بات چیت ہوئی۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی گرہ سے تقریباً چالیس روپے کی بہت ساری کتابیں خرید کر پیر صاحب کو دیں۔ واپس آکر پیر صاحب نے ان کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور خاکسار بھی چونکہ آپ کی لائبریری کا منتظم تھا۔ میں نے بھی ان کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ عام طور پر میں ایک کتاب پڑھتا جاتا اور پیر صاحب لیٹے لیٹے سنتے جاتے نتیجہ یہ ہوا کہ براہین احمدیہ کے پہلے حصہ سے لے کر ۱۸۹۹ء تک کی تمام کتابیں ہم نے خوب مطالعہ کر لیں

اور یہی کتابیں ہمیں لاہور سے ملی تھیں۔ علاوہ ازیں مولوی محمد علی صاحب کی اپنی لکھی ہوئی چند کتابیں...... جن میں جماعت کے اختلافی مسائل پر بحث تھی...... کے ذریعہ سے ہمیں علم ہوا کہ مرزا صاحب کی جماعت کے دو گروہ ہیں اور ان کے درمیان یہ اختلافی مسائل ہیں.... لیکن اس زمانہ میں ہم مرزا صاحب کا ترجمان مولوی محمد علی صاحب کو سمجھتے تھے اور بقول شاعر

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوٰی
فصادف قلبا خالیا فتمکنا

وہی عقائد ہمارے دلوں میں گڑ گئے کہ مرزا صاحب ایک نیک آدمی ہیں.....

علماء کی مخالفت

ہمارے ان عقائد کا علم جب ہمارے دوسرے علماء کو ہوا تو لاہور' گوجرانوالہ' راولپنڈی' واں بھچراں سے کئی بزرگ علماء چک منگلا آنے شروع ہوئے مثلاً مولوی غلام اللہ خان صاحب' قاضی شمس الدین صاحب' قاضی نور محمد صاحب' مولوی شہاب الدین صاحب اور بے شمار علماء حضرات

ہمارے ساتھ ان کا یہ جھگڑا ہوتا کہ تم مرزا صاحب کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ ہم کہتے کہ ہم احمدی نہیں۔ صرف مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتے۔ وہ کہتے جو مرزا صاحب کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ ہم کہتے کہ ہمیں سمجھاؤ مرزا صاحب کیوں کافر ہیں۔ وہ دلائل دیتے ہم ان کو جواب دیتے کہ یہ وجوہ کافر بنانے کے لئے کافی نہیں۔ چونکہ پیر صاحب کی طرف سے حوالہ جات پیش کرنے والا میں تھا۔ مجھے بھی اچھی مزاولت ہوتی گئی اور مسائل ذہن نشین ہوتے گئے۔

عبداللہ معمار سے مناظرہ

ہوتے ہوتے ہمارے تمام مریدوں کے عقائد پختہ ہوتے گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور مرزا صاحب نیک انسان ہیں لیکن ہمیں ان کی بیعت کی ضرورت نہیں اور مرزا صاحب کو نیک بزرگ مانتے ہوئے ہمیں اپنی پیری مرید کا سلسلہ قائم رکھنا چاہئے۔ ایک مرید کی دعوت پر پیر صاحب سلانوالی

تشریف لے گئے۔ وہاں تقسیم ملک کے بعد کافی مہاجر آباد ہو چکے تھے اور وہ لوگ ہمارے عقائد سے واقف ہو چکے تھے۔ انہوں نے ہمیں مرزائی مشہور کر دیا اور ہمارے ساتھ مناظرہ کی طرح ڈال دی۔ پیر صاحب بھی جوشیلے آدمی تھے۔ انہوں نے لکھ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور مرزا صاحب اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں۔ اس پر مناظرہ رکھا گیا۔ انہوں نے راتوں رات مولوی بلوا لئے۔ ہمیں نہ اس قسم کے مناظروں کا پتہ نہ پورا دلائل کا علم۔ بہرحال دوسرے دن عبداللہ معمار امرتسری ان کی طرف سے مناظر مقرر ہوا۔ مجھے کہیں سے احمدیہ پاکٹ بک بھی مل گئی۔ ویسے بھی وفات مسیح کے دلائل ایک کاپی پر جمع کر رکھے تھے خدا تعالیٰ کے فضل سے مناظرہ بہت اچھا ہوا اور یہ بھی عجیب قسم کا مناظرہ تھا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ نہ ہم احمدی نہ لاہوری نہ قادیانی اور وفات مسیح اور صداقت مرزا صاحب پر مناظرہ کر رہے ہیں لیکن اصل میں خدا تعالیٰ ہمیں ٹریننگ دے رہا تھا کہ تم نے احمدی بن کر تبلیغ کرنی ہے۔ ابھی سے تیاری اور مشق کر لو۔

ربوہ دارالہجرت کی بنیاد

انہیں ایام میں ربوہ مرکز احمدیت ہمارے علاقہ میں آباد ہونا شروع ہوا اور سرگودھا شہر میں بھی کافی احمدی احباب آ گئے تو میں نے حضرت مسیح موعود....... کی تمام تصنیفات اکٹھی کرنی شروع کیں۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم پڑھی۔ حقیقت الوحی پڑھی۔ نبوت کا مسئلہ حل ہو گیا....... ان دنوں میں نے مسئلہ مصلح موعود اور مسئلہ خلافت پر دونوں جماعتوں کا لٹریچر پڑھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر حق واضح کر دیا کہ خلافت برحق اور مرزا صاحب کی تحریرات کی روشنی میں مصلح موعود میرا پیارا محمود ہے۔

اسکے بعد میرا اور میرے استاد پیر صاحب کا اختلاف شروع ہو گیا۔ وہ اسی عقیدے پر جم گئے کہ مرزا صاحب نبی نہیں اور نہ ہی خلافت کی ضرورت ہے اور نہ ہی بیعت کی ضرورت ہے اور خاکسار ان مسائل کی تہہ تک پہنچ گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے پہلی ملاقات

اب میں اعتقاداً احمدی ہو چکا تھا لیکن پیر صاحب کو چھوڑنا بہت مشکل کام تھا کیونکہ ان کے ہم پر بہت احسانات تھے اور ان کا رعب اتنا تھا کہ ان کو چھوڑنا کارے دارد تھا۔ لیکن لٹریچر کے ذریعہ اب حق واضح

ہوچکا تھا۔ میں ایک دفعہ لاہور گیا۔ وہاں جودھامل بلڈنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رہائش پذیر تھے۔ شام کی نماز میں نے حضور کی اقتداء میں ادا کی اور مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے میرا تعارف کرایا۔ نماز کے بعد حضور نفسیات پر کچھ لیکچر دیا کرتے تھے اور کافی دوست جمع ہو جایا کرتے تھے۔ حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھا اور حضور کے طرز گفتگو نے مجھے کچھ ایسا گرویدہ کیا کہ میں رونے لگ گیا۔

حضور نے علاقہ پوچھا۔ تعلیم پوچھی۔ میں نے سب کچھ بتا دیا لیکن اس ملاقات اور حضور کی نگہ نے مجھے اپنا مطیع بنالیا۔ قال الشاعر

آں دل کہ رم نمو دے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

مناجات شوریدہ اندر حرم

اب میں نے علیحدگی میں پیر صاحب سے بات چیت مودبانہ انداز میں شروع کی اور اپنے دلائل دینے شروع کئے کہ جناب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو پھر خدا کے مامور کے مقابلہ میں ہمیں اپنی گدی چھوڑ دینی چاہئے اور بیعت میں شامل ہونا چاہئے۔ لیکن یہ قدم اٹھانا ان کے لئے بہت مشکل تھا اور ہمیں پیر صاحب کا چھوڑنا مشکل تھا۔ اسی کشمکش میں ۱۹۵۰ء میں مَیں نے حج کا ارادہ کیا اور اس سفر میں میری ایک غرض یہ تھی کہ اس معاملہ کے متعلق مقامات مقدسہ پر دعا کروں گا۔ مجھے بیس دن کراچی ٹھہرنا پڑا کیونکہ ہمارا جہاز لیٹ ہوگیا تھا۔ میں جمعہ احمدیہ ہال میں جاکر پڑھتا اور رات دن سلسلہ کی کتب کا مطالعہ کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ دعوۃ الامیر اور ذکر الٰہی میں نے وہاں ہی کسی دوکاندار سے خریدیں اور سفرحج پر ساتھ لے گیا۔ مرقاۃ الیقین بھی ہر وقت اپنے پاس رکھتا اور اس کا بار بار مطالعہ کرتا تھا۔

خانہ کعبہ میں دو دعائیں

سن رکھا تھا کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر ڈالنے کے وقت جو دعا کی جائے قبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دو دعائیں

مانگیں (۱) خدایا عمر بھر جو دعا مانگوں قبول فرمانا۔ (۲) جماعت احمدیہ قادیان میں شامل ہونا اگر تیری رضا کا موجب ہے تو مجھے ضرور داخل فرمانا۔

یوم عرفہ ۱۳۶۹ھ

یوں تو بیت اللہ، مدینہ منورہ، منیٰ، عرفات وغیرہ تمام مقامات مقدسہ پر دعائیں کیں لیکن یوم عرفہ یعنی حج کے دن تو خصوصاً دعا کا موقعہ ملا۔

عرفات کے میدان میں تقریباً آٹھ نو بجے پہنچ گیا تھا۔ دوپہر کے بعد ظہر و عصر جمع کرکے احرام کی حالت میں ایک مشکیزہ پانی کا کندھے پر ڈالے اور کاپی دعاؤں کی ساتھ لئے ایک چھتری لے کر جبل رحمت پر چڑھ گیا۔ جہاں حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ دیا تھا۔

خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے اس مقام پاک پر قرآنی دعاؤں اور احادیث کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے خدا سے یوں مخاطب ہوا:

"مولا کریم میں گنہگار پاکستان سے تیرے اس متبرک مقام پر اس لئے آیا ہوں کہ میرے گناہ بخش اور اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تیرا سچا مسیح موعود ہے اور اس کی جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے تو مجھے اس جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اے میرے مالک اگر قیامت کے روز تو مجھ سے سوال کرے گا کہ تو نے مسیح موعود کو کیوں نہ مانا تو اس کا ذمہ دار تو ہوگا۔ میں تو گرتے پڑتے تیرے در پر پہنچ گیا ہوں اب آئندہ تو راستہ کھول۔ جو حالت دعا اور حالت گریہ اس وقت مجھ پر طاری ہوئی مجھے ساری عمر نہیں بھولے گی۔ گویا میں روز محشر میں حاضر تھا اور خدا تعالیٰ سے آمنے سامنے بات کر رہا تھا اور جب مجھے اپنی وہ حالت یاد آتی ہے تو سمجھتا ہوں شاید شیخ سعدی نے یہ شعر میرے حق میں ہی کہا تھا

دلم می بلرزد چوں یاد آورم

مناجاتِ شوریدہ اندر حرم

چنانچہ اس سفر سے واپس آکر ایک موقعہ پر میں نے اس واقعہ کی یاد میں یہ چند شعر بھی کہے تھے جن میں میں نے اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے عاجزی سے کہا تھا کہ:۔

دل میں میرے ڈال دی تو نے محبت کی جھلک
میں تو آخر دم تلک روتا رہا با حالِ زار
عرصۂ عرفات میں ہے جبلِ رحمت خود گواہ
تھا پکارا میں نے تجھ کو باہ و چشم اشکبار
یاد کر وہ وقت جب میں در پہ تیرے جا کھڑا
دے مجھے رشد و ہدایت' تھا زباں پر بار بار
گر نہیں ہے میرزائے قادیاں تیرا مسیح
پھیر دے دل کو مرے' ہاتھوں میں تیرے اقتدار
گر بنا فیضان احمدؐ سے' غلام احمد مسیح
قوم کو میری ہدایت دے' نہ ہوں از اہل نار

میری بیعت

واپس آکر دو سال متواتر مکرم پیر صاحب سے بحث و مکالمہ ہوتا رہا اور اس عرصہ میں مجھے کئی خوابیں بھی آئیں جن کو میں نوٹ کرلیتا اور میری عقیدت حضرت خلیفہ المسیح الثانی سے یوماً فیوماً بڑھتی گئی۔ آخر میں نے حتمی فیصلہ کرلیا اور خدا تعالیٰ نے میرے اندر قوت بھر دی کہ خواہ پیر صاحب ناراض ہوں اب خدا تعالیٰ نے عقلی علمی اور روحانی طور پر مجھ پر حجت تمام کر دی ہے۔ اب اگر مداہنت سے کام لوں تو شاید سلب ایمان کا معاملہ نہ ہو جائے۔ پس ۱۹۵۴ء کے جلسہ سالانہ پر یہ خاکسار حضور کی دستی بیعت سے مشرف ہوا اور میرے ساتھ رائے اللہ بخش ولد احمد منگلا نے بھی بیعت کی اور بعد میں خاکسار کے ذریعہ سے پیر صاحب کے تمام مرید سوائے چند ایک کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے داخل سلسلہ حقہ ہوگئے۔ فالحمد للہ رب العالمین

(قبول احمدیت کی داستان۔ صفحہ ۱۶ تا ۲۵)

([illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

○

([illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

○

[illegible]

کمیٹی کفالت یکصد یتامیٰ دار الضیافت

حضور انور کے منصوبہ ”کفالت یکصد یتامیٰ“ کے بارے میں ضروری اعلانات

(۱) امانت یکصد (۱۰۰) یتامیٰ

جو دوست یتامیٰ کی خبر گیری اور کفالت کے خواہشمند ہوں وہ ایک یتیم کی کفالت کے جملہ اخراجات ادا کر کے اس بابرکت تحریک میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مستحق یتیم بچوں پر عمر اور تعلیم کی ضروریات کے لحاظ سے چار (۴) صد روپیہ سے ایک ہزار (۱۰۰۰) روپیہ تک ماہوار خرچ کا اندازہ ہے۔ آپ اپنی خواہش اور مالی وسعت کے لحاظ سے جو رقم بھی باقاعدہ ماہوار مقرر کرنا چاہیں کمیٹی کو اس کی اطلاع کر دیں۔ اس غرض کے لئے اپنی رقوم امانت ”کفالت یکصد یتامیٰ“ خزانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں براہِ راست یا مقامی انتظامِ جماعت کی وساطت سے جمع کروانا شروع کر دیں۔

نیز احباب کی آگاہی کے لئے یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ حضور انور نے ایسے احباب کو بھی ادائیگی کی اجازت عطا فرمائی ہے جو گاہے گاہے کوئی رقم مقرر کئے بغیر کچھ نہ کچھ اِس مَد ”کفالت یکصد یتامیٰ“ میں مقامی انتظامِ جماعت کے ذریعہ حسبِ منشاء جمع کرانا چاہتے ہیں۔

(۲) مستحق یتامیٰ یا اُن کے وُرثاء توجہ فرماویں

حضور انور کے ارشاد کے ماتحت امانت ”کفالت یکصد (۱۰۰) یتامیٰ“ سے ایسے مستحق یتامیٰ کو وظائف دینے کا انتظام ہے جو اپنی پرورش۔ تعلیم اور مستقبل کی اٹھان کے لئے سلسلہ کی طرف سے مدد لینے کے خواہاں ہوں۔ ایسے بچوں کی والدہ یا ورثاء یتامیٰ کمیٹی کو اطلاع دیں تا اُن کے لئے وظائف کا انتظام کیا جا سکے۔

اُمراءِ اضلاع و مربیانِ کرام کی خدمت میں بھی گذارش ہے کہ جماعت میں سے ایسے گھرانوں کی نشان دہی کر کے یتامیٰ کمیٹی کا ہاتھ بٹائیں تا اُن کی مدد کا مستقل انتظام کیا جا سکے۔

(سیکرٹری کمیٹی کفالت یکصد یتامیٰ

دار الضیافت۔ ربوہ)

اپنے خاندانی تعلقات کو بہتر بنائیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"میں نے بارہا نصیحتیں کی ہیں کہ اپنے خاندانی تعلقات کو بہتر کریں۔ اپنے روزمرہ تعلقات میں سوچیں کہ صلہ رحمی کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ کس طرح بار بار میں نے آپ کو سمجھایا ہے کہ ساسوں کو چاہیئے کہ دوسروں کی بیٹیاں جب اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھر میں آجاتی ہیں تو وہ ان پر رحم کیا کریں۔ اپنی بیٹیاں سمجھا کریں۔ اور بہوؤں کو سمجھایا ہے کہ تم اپنے دوسرے گھروں میں جا کر اپنی ماں کی طرح سلوک کیا کرو۔ لیکن اس کے باوجود لوگ سنتے ہیں اور شاید دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ یا سنتے ہی نہیں اور محض ظاہری طور پر کانوں کے پردے مرتعش ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ شکایتیں پھر بھی آتی رہتی ہیں۔ بڑے بڑے تکلیف دہ خط بعض بچیوں کے ملتے ہیں کہ ہم گئیں ہماری جو نسبتی بہنیں ہیں وہ اس طرح سلوک کرتی ہیں گویا کہ میں نے ان کے بھائی پر ڈاکہ ڈالا ہوا ہے۔ اور وہ جب تک مجھے ذلیل و رسوا نہ کر دیں کہ یہ ہمارا زیادہ ہے اور تمہارا کم ہے۔ اس وقت تک ان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ ساسیں ہیں جو ہر وقت میرے خاوند کے کان بھرتی رہتی ہیں ..... کہ جب تک تم اس کو رسوا کر کے ذلیل کر کے میرے سامنے جھکاؤ نہیں تم میرے بیٹے نہیں اور اس میں یہ نقص ہے اس میں وہ نقص ہے۔ اس کے برعکس دوسری طرف سے بھی شکایتیں ملتی ہیں۔ تو وہ راہیں کونسی تھیں جن راہوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو پایا۔ ان میں سے ایک راہ صلہ رحمی کی راہ تھی۔ اپنے خاندانی تعلقات کو درست کیا۔ اور کوئی رشتہ دار آپؐ کا انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو کسی قسم کی شکایت پہنچی ہو۔"

(خطبہ فرمودہ ۱۳۔ اپریل ۱۹۹۰ء)